بدلتی دنیا کے تقاضے اور فکرِ اقبال

یاسمین کوثر

ادارہ: گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

E-Mail: yasmin.imranb@gmail.com

خلاصہ۔

اردو ادب کی تاریخ کا جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اقبال نہ صرف بیسویں صدی کے عظیم شاعر تھے۔ بلکہ اقبال مستقبل کے بھی شاعر تھے۔ بقول اقبال:

ع من نوائے شاعرِ فرداستم

اقبال کی شاعری اوران کی فکر سدا بہار ہے۔ وہ ایک نابغۂ روزگار شاعر تھے۔ ان کی فکر میں گہرائی اور وقت کے تقاضوں کو بھرپور طریقے سے نبھانے کی صلاحیت تھی۔ اقبال کی دور بین نگاہ میں وہ بصیرت تھی جو بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے۔ اقبال مسلمانوں کو جھنجوڑ کر مستقبل کے لیے تیار کرنا چاہتے تھے:

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے

تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

اقبال مسلمانوں میں تفرقہ بازی کو ختم کر کے اتحاد اور محبت کا رشتہ مضبوط کرنا چاہتے تھے۔ اقبال مغرب کی کھوکھلی تہذیب کی حقیقت کو بہت قریب سے دیکھ چکے تھے۔ اس لیے وہ فرنگی کی چالوں کو سب پر عیاں کرنا چاہتے تھے۔

دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے

کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہو گا

اقبال دراصل ملتِ اسلامیہ کی نشات ثانیہ چاہتے تھے۔ اقبال دورِ جدید کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے مردوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تعلیمِ نسواں پر بھی زور دیتے تھے۔ لیکن ایسی تعلیم چاہتے تھے۔ جو عورت کو اسکے فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ دے۔ اقبال کا نظریہ امومت ان کے کلام میں بڑی وضاحت سے پیش کیا گیا ہے۔ اقبال نوجوانوں کو مستقبل کا معمار سمجھتے تھے اور نوجوانوں میں شاہین کی خصوصیات دیکھنا چاہتے تھے۔

اقبال کے زمانے میں عالمِ اسلام کے مسائل میں سب سے بڑا مسئلہ فلسطین کا تھا۔

ع فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب

اقبال کی شاعری اور فکر میں یقیناً ایسے عناصر ہیں جو اس بدلتی دنیا کے تقاضوں کو پورا کر سکتے ہیں۔ جدید عہد کے مسائل کو علامہ کی خواہش کے مطابق اسلام کی روشنی میں آسانی سے حل کیا جا سکتا ہے۔

علامہ محمد اقبال اُردو ادب کے نامور شاعر، فلسفی اور مفکر ہیں۔ ان کا فکر و فن بے مثال ہے۔ وہ صرف ماضی کے ہی نہیں بلکہ حال اور مستقبل کے بھی شاعر تھے۔ ان کے پیغام کی اساس قرآن مجید اور سنتِ رسولؐ پر تھی۔ علامہ کی فکر میں بہت گہرائی تھی۔ جو وقت کے تقاضوں کو بھرپور طریقے سے نبھانے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اقبال کی دور بین نگاہ میں وہ بصیرت تھی جو بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے۔

اقبال نے جس دور میں آنکھ کھولی وہ مسلمانوں کی غلامی کا تھا لیکن انھوں نے اس غلامانہ ماحول کو کبھی دل سے قبول نہ کیا۔ وہ غلامی کی زنجیروں کو توڑنا چاہتے تھے۔ اقبال مغرب کی کھوکھلی تہذیب کی حقیقت کو بہت قریب سے دیکھ چکے تھے۔ اور مسلمانوں کے روشن مستقبل کے لیے بڑے پُر اُمید تھے۔ وہ اسلام کی نشاتِ ثانیہ چاہتے تھے۔ علامہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور پیار محبت کا رشتہ مضبوط کرنا ان کا اولین مقصد تھا۔ مسلمانوں کی حکومت اور اسلام کی سربلندی چاہتے تھے۔ ان کی شاعری میں بھی اتحادِ عالم اسلام کا پہلو بہت نمایاں ہے۔ اس کے وہ عمر بھر داعی اور مبلغ رہے۔ بقول اقبال:

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا[1]

عصرِ حاضر کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اقبال مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل جدید علوم و فنون اور اسلام سے وابستگی میں سمجھتے تھے۔ یہ وقت کا تقاضا تھا کہ نئی نسلِ نو کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا جائے۔ اقبال فرماتے ہیں:

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا

لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا[2]

اقبال نے خود بھی مغرب سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ وہ مسلمانوں کو بھی جدید علوم و فنون کے حصول کی تلقین کرتے تھے۔ جدید علوم کے ساتھ ساتھ قرآن اور اسلام سے جڑنے کا بھی درس دیا۔ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم کی اہمیت کو بھی اجاگر کیا۔

اقبال ایک ایسے اخلاقی اور روحانی انقلاب کے خواہاں تھے جو اقوام کے شعور کو بدل کر رکھ دے۔ مسائلِ اقبال میں سید عبداللہ لکھتے ہیں اس نکتے کی وضاحت کے لئے میں یہ عرض کروں گا کہ اقبال نے مغرب کے کلچر اور تمدن کی اس بنا پر پیہم مخالفت کی ہے کہ اس میں عقلیت اور مادیت کے عناصر اصولی اور اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ بخلاف اس کے اقبال فقر و عشق کو زندگی کی اساس سمجھتے ہیں اور اسی ایک چیز کو کائنات کی ترقی و صحت کی باعث خیال کرتے ہیں۔ مغربی کلچر کے خلاف اقبال کو یہی شکایت ہے کہ اس کے تمام شعبے اسی مرضِ مادیت و عقلیت سے متاثر ہیں، جس کی وجہ سے تہذیبِ یورپ روز بروز کمزور ہو رہی ہے۔ مشرق خود فراموشی کے عالم میں جب انہی مہلک جراثیم سے متاثر ہوتا ہے تو اقبال کو رنج ہوتا ہے۔ اُن کے دل میں بے قراری و اضطراب کے طوفان اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ طوفان اشکوں اور نالوں کی صورت میں امڈ پڑتے ہیں۔ یہی نالے ہیں جو "پیامِ مشرق"، "بانگِ درا"، "جاوید نامہ"، "زبورِ عجم" اور "ارمغانِ حجاز" کا محسوس جامہ پہن کر باہر آتے ہیں اور دنیا کو متاثر کرتے ہیں، ان سب تصانیف میں ہم اقبال کو مغرب کو مغرب کی مادہ پرستی اور روحانیت سے بیگانگی پر پیچ و تاب کھاتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اقبال کی نظر، مغرب کے سیاسی استیلا اور ملک گیری پر بھی رہتی ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ رنج انہیں مغرب کی روحانی علالتوں اور اس کی تہذیب میں اخلاقی عنصر کی کمی دیکھ کر ہوتا ہے اور یہ دیکھ کر کہ سادہ لوح مشرق بھی مغرب کے انہی روحانی امراض سے متاثر ہو رہا ہے اقبال اور غم میں ڈوب جاتے ہیں۔[3]

اُٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا اُفقِ خاور پر

بزم میں شعلہ نوائی سے اُجالا کر دیں

ذرے ذرے کو سبق آئینِ نمو کا دے کر

قطرہِ شبنمِ بے مایہ کو دریا کر دیں[4]

اقبال کو اس دنیا سے رخصت ہوئے تقریباً اسّی برس بیت گئے۔ لیکن ان کی شاعری کی تازگی آج کے دور میں بدستور قائم ہے۔ اقبال کے دور سے اب تک کئی تحریکیں چلیں جنھوں نے انقلاب اور ترقی کے نعرے بلند کیے مثلاً ترقی پسند تحریک کی ہی مثال لیجیے جنھوں نے بڑے بلند دعوے تو کر لیے تھے لیکن ان کو عملی صورت میں نہ دے سکے اور اشتراکیت کے کمزور اور کھوکھلے نعروں سے لوگوں کو ظالم و جابر نظام سے نجات نہ دلا سکے۔

علامہ اپنی ذات میں ایک تحریک تھے جن کی شاعری اور دیگر نثری تحریروں میں بھی عصرِ حاضر کی خرابیوں اور خامیوں کی نہ صرف نشاندہی کی گئی ہے بلکہ ان سے نجات کا لائحہ عمل بھی دیا ہے۔ بقول اقبال:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں

اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار[5]

ڈاکٹر سید محمد اکرم اِکرام لکھتے ہیں:

"آج دنیا میں آبرومندانہ زندگی بسر کرنے کے لیے عصری تقاضوں کے مطابق ہمیں سائنسی علوم اور جدید ٹیکنالوجی کی اشد ضرورت ہے۔ اقبال کے نزدیک یہ علوم و فنون اسلامی تہذیب ہی کے عطا کردہ ہیں اور اسی کا تسلسل ہیں"۔[6]

اخوت، محبت، رواداری، عدل و احسان جیسے سنہری اصول آفاقی حیثیت رکھتے ہیں۔ اقبال کے کلام میں بھی ان اصولوں کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہی وہ اصول تھے جن کی اساس پر حضرت محمدؐ نے دنیا کی پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد مدینہ منورہ میں رکھی۔ آپؐ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے اقبال ایک سچے عاشق رسولؐ تھے۔ عصرِ حاضر کے تناظر میں اقبال کی شاعری کا مرکزی نکتہ سیرت النبیؐ کی پیروی کرنا ہے۔ بقول ڈاکٹر طاہر حمید تنولی:

"اقبال نے مسلمانوں کے اس عالم گیر نصب العین کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ انسانیت کی فلاح ان انجمنوں، عہد ناموں اور لیگوں میں نہیں جو اس نے دنیا میں پیام امن کے لیے قائم کر رکھی ہیں بلکہ انسانی فلاح تمام انسانوں کی مساوات اور حقیقی حریت میں ہے۔ جبکہ جدید جمہوری افکار اور نظام اس سے

عاری ہیں۔۔۔ روزنامہ 'احسان' لاہور میں 9 مارچ 1938ء کو شائع ہونے والے مضمون 'اسلام اور قومیت' میں لکھا کہ یہ اسلام ہی تھا جس نے بنی نوع انسان کو سب سے پہلے یہ پیغام دیا کہ اسلام کے دستور کو قوم اور نسل پر مبنی قرار نہیں دیا جاسکتا نہ ہی ہم اسے نجی و ذاتی معاملہ قرار دے سکتے ہیں بلکہ اس کو کلیتاً معتقدات پر مبنی قرار دیا جائے گا صرف یہی ایک طریقہ ہے جو عالم انسانیت کی جذباتی زندگی اور اس کی بقا کے لیے ضروری ہے"۔[7]

اقبال ایک حساس شاعر تھے جنھوں نے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف آواز بلندی کی۔ وہ مسلمانوں کے درد کی کسک کو اپنے سینے میں محسوس کرتے تھے۔ جس کا اظہار وہ اپنی تحریروں میں بھی کرتے تھے۔ وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ یورپ کے مختلف ممالک نے آپس میں اتحاد پیدا کرکے مسلمانوں کے خلاف محاذ پیدا کر رکھا ہے۔ وہ کسی صورت یہ برداشت نہیں کرسکتے کہ مسلمان متحد ہوں اور ترقی کی راہ پر گامزن ہوں۔ دورِ حاضر میں بھی دنیائے اسلام میں مختلف جگہوں پر مسلمانوں پر طرح طرح کے ستم ڈھانے کے ساتھ ساتھ ان کی نسل کُشی اور قتل وغارت گری عام ہے۔

عصرِ حاضر میں جن مسلم ممالک پر الحادی قوتوں کے ظلم جاری ہیں۔ ان میں شام، فلسطین، برما) میانمار)، عراق، افغانستان، چیچنیا اور کشمیر وغیرہ شامل ہیں۔ امریکہ ، روس، انگلستان، ہندوستان جیسے ممالک مسلمانوں کو ہر ممکن طریقے سے اپنی غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں بلکہ انھیں ہر طرح کے ظلم و تشدد کا شکار بھی بنارہے ہیں۔ ایسے کٹھن وقت میں اقبال جیسے انقلابی شاعر کی فکر کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ جو مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کر دے۔ اقبال عالمِ اسلام کو آزاد اور خود مختار دیکھنا چاہتے تھے۔ غلامی کی زنجیروں سے آزادی دلانا ہی ان کی شاعری کا مقصد تھا۔ آزادی ہی کسی قوم کے تابناک مستقبل کی ضامن ہوتی ہے۔

یقین محکم، عمل پیہم، محبتِ فاتح عالم

جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں

نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانوں میں

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں

جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں[8]

پروفیسر فتح محمد ملک ،اقبال کے وسطِ ایشیا کے مسلمانوں کے حوالے سے خیالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اقبال مسلمانوں کے ماضی کا خیال کرتے ہیں تو انھیں وسطِ ایشیا کا شاندار ماضی یاد آتا ہے۔ اقبال اسی کے عکس پر وسط ایشیا کا مستقبل تعمیر کرنے کے تمنائی ہیں۔ اقبال عہدِ حاضر کے ایک یگانۂ روز گار شاعر، فلسفی اور دانشور تھے۔ ان کے فنی اور فکری کمالات کو تین دائرہ ہائے عمل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ان کی ذات بیک وقت برصغیر، دنیائے اسلام اور دنیائے انسانیت کو مادی اور روحانی ترقی و تکمیل کی جانب گامزن دیکھنے کی تمنائی رہی۔۔۔ اپنی شاعری اور فکر کے ذریعے اقبال وسط ایشیا کی محکومی اور وسط ایشیا میں روسی استبداد کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں۔ وہ وسطِ ایشیا کو پھر سے بیدار ہونے اور تعمیر جہاں میں اپنا کردار ادا کرنے کا فریضہ یاد دلاتے رہتے ہیں"۔[9]

دورِ حاضر کے مسلمانوں کا ایک بڑا مسئلہ جہالت ہے۔ جس پر اقبال نے کلام میں جا بجا اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس وقت کے کم علم علما نے مسلمانوں کو راہنمائی دینے کے بجائے انھیں ان کی منزل سے بھٹکا دیا۔ انھوں نے اسلام کو اپنے پسندیدہ اندازِ فکر کے مطابق فروغ دیا۔ نئی نسل کو مذہب سے دور کر دیا۔ ان کے دلوں میں اپنے مذہب کی محبت کی بجائے نفرت بٹھا دی۔ یہ سب اسلام دشمنوں کی ایک سازش کے تحت ہورہا تھا۔ مثلاً برصغیر میں لارڈ میکالے نے ایسا نظام تعلیم رائج کرنے کی کوشش کی۔ جس کے نتیجے میں لوگ خون اور رنگ کے حساب سے جسمانی اور ظاہری طور پر ہندوستانی تھے لیکن ذہنی طور پر انگریزی سوچ رکھتے تھے۔ اقبال کو اس نظامِ تعلیم کی خامیوں کا بخوبی اندازہ تھا اسی لیے تو وہ فرماتے ہیں:

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم

ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا

کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ[10]

اقبال کے نزدیک علم انسان کو آگہی، شعور اور سمجھ فراہم کرتا ہے۔ اسی لیے وہ مسلمانوں کو جدید مغربی تعلیم کے ساتھ دین اسلام کی تعلیم کے حصول کی نصیحت کرتے ہیں۔ یہ علم ہی تو ہے جو مسلمانوں کو ان کا کھویا ہوا وقار اور مقام و مرتبہ واپس دلا سکتا ہے۔ اقبال علم کی تشکیل نو چاہتے تھے۔ جو انسان کی روحانی اور مادی ضروریات کو پورا کرسکے۔ علامہ تمام مسلمانوں کو ان کی تاریخ سے بھی جوڑنا چاہتے تھے اور نئی نسل کو بتایا کہ آپ کے آباؤ اجداد کا روشن ماضی آپ لیے ایک مثال ہے۔ وقت کی ضرورت ہے کہ اب نژادِ نو شبانہ روز کاوشوں سے اپنا کھویا ہوا مقام و مرتبہ حاصل کرلے۔ بقول اقبال:

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تُو نے

وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

کہ تُو گفتار وہ کردار، تُو ثابت وہ سیارا[11]

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے اقبال کی شاعری کی تعریف ان الفاظ میں کی:

"اقبال نے اپنا تمام کمال اور تمام جذبہ اپنی قوم کو بیدار کرنے میں صرف کیا کبھی اس کو کامیابی کا گماں ہوتا تھا کہ قوم میں کچھ جنبش پیدا ہوئی ہے اور میری بانگِ درا سے یہ کاروان خُفتہ پھر جادہ پیمائی کے لیے تیار ہوا ہے۔"

"میرے نزدیک اقبال کے عارفانہ اور عاشقانہ کلام کا ہر شعر عبادت میں داخل ہے۔ اس سے زیادہ خدمتِ خلق اور کیا ہو سکتی ہے کہ رہتی دنیا تک لوگ اس کے کلام سے بلند ترین افکار اور تاثرات حاصل کرتے رہیں گے۔ یہ صدقہ جاریہ ہے۔۔۔ اقبال کے کلام سے بعض افراد کی زندگی میں ایک انقلاب آفرین ہیجان پیدا ہوا۔ آئندہ بھی ملتِ اسلامیہ کے ہر انقلاب میں اقبال موجود ہو گا۔ جس شخص کا پیغام سراپا پیغام عمل ہو، کیا وہ سرچشمہ عمل خود عمل سے محروم ہے؟ لوگوں نے جس چیز کو عمل سمجھ رکھا ہے وہ اس حیات افزا پیغام و تلقین کے مقابلے میں اکثر پست ہی ہوتا ہے۔"[12]

اقبال نے غریب اور مظلوم انسانوں کی حمایت میں آواز بلند کی، انھیں اپنے حقوق کے حصول کے لیے تیار کیا اور سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام کے خلاف آواز اٹھائی۔

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی

اُس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو[13]

عصرِ حاضر میں بھی غریب، کسان، مزدور اور کمزور طبقے پر ظلم و ستم ڈھائے جا رہے ہیں یہاں تک کہ ان سے جینے کا حق بھی چھینا جا رہا ہے۔ کلام اقبال ہمیشہ دعوتِ حق کا داعی رہا اور اشتراکیت، فسطائیت، بالشوزم، جاگیر دانہ، سرمایہ دارانہ اور دیگر مغربی نظاموں کو رد کیا۔ وہ صرف اسلام کی بنیاد پر بننے والے نظام کو مسلمانوں اور پوری بنی نوع انسانیت کے لیے سود مند سمجھتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ دین اسلام سلامتی، امن، خوش حالی اور دنیا و آخرت کی کامیابی کا مذہب ہے۔ کلام اقبال آج بھی دورِ حاضر کے مسلمانوں کے مذہبی، سیاسی، اقتصادی، سماجی، تعلیمی، ثقافتی مسائل میں راہنمائی فراہم کرتا ہے۔

اقبال افغانستان، فلسطین، کشمیر، ترکی، ہندوستان جیسے ممالک کے مسائل کے حل کے لیے اپنی شاعری میں انقلابی پیغام بھی دیتے تھے۔ گول میز کانفرنسوں میں بھی اقبال نے مسلمانوں کے سیاسی مسائل کو اٹھایا۔ آج ہمیں ایسے مسلمان راہنماؤں کی اشد ضرورت ہے جو مسلمانوں کے مسائل کو بین الاقوامی فورم پر نہ صرف پیش کریں بلکہ اس کے حل کے لیے تجاویز بھی دیں۔ بقول اقبال:

ابھی تک آدمی صیدِ زبونِ شہریاری ہے

قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے[14]

اقبال نے محمد علی جناح کو خط (28 مئی 1937ء) میں اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا:

"اسلام کے لیے سوشل ڈیموکریسی کی کسی موزوں شکل میں ترویج، جب اُسے شریعت کی تائید و موافقت حاصل ہو، حقیقت میں کوئی انقلاب نہیں بلکہ اسلام کی حقیقی پاکیزگی کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔ مسائلِ حاضرہ کا حل مسلمانوں کے لیے ہندوؤں سے کہیں زیادہ آسان ہے"۔[15]

اقبال اپنے دلی جذبات اور خیالات کے بارے میں سید سلیمان ندوی کو خط میں لکھتے ہیں:

" میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میرے دل میں ممالکِ اسلامیہ کے موجودہ حالات دیکھ کر بے انتہا اضطراب پیدا ہو رہا ہے۔ ذاتی لحاظ سے خدا کے فضل و کرم سے میرا دل پورا مطمئن ہے۔ یہ بے چینی اور اضطراب محض اس وجہ سے ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل گھبرا کر کوئی دوسری راہ نہ اختیار کر لے"۔[16]

اقبال کی شاعری امروز و فردا کا جائزہ لے کر زندگی کو خوب سے خوب تر بنانے کی جستجو ہے۔ ان کی شاعری زوال آمادہ ملتِ اسلامیہ کے لیے راہِ نجات ہے۔ علامہ کی روح آج بھی بے تابانہ اضطراب میں منتظر ہے کہ ہمارے نوجوان مضبوط ہمت، بختہ عزائم اور جوش سے کسی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوں۔ یہ نوجوان دوسروں کو منفی راہوں اور سوچوں کی بجائے دینِ فطرت کا وہ صراطِ مستقیم دکھائیں، جس کا انجام اسلامی انقلاب کی صورت میں ظاہر ہو۔

اقبال اجتہاد پر زور دیتے تھے۔ دورِ جدید کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فکرِ دینی کو از سرِ نو تعمیر کرنا لازمی سمجھتے تھے۔ نئے دور کے تناظر میں آج بھی اقبال کی فکر کے اجتہادی پہلو پر کام کی اشد ضرورت ہے۔ یہ علماء کا فرض ہے کہ وہ دین سے متعلق اہم مسائل کو دینِ اسلام کی اساسی تعلیمات کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کریں۔ اقبال نے اس مسئلے پر اپنے خطبات میں بھی

تفصیلی بحث کی ہے۔ اجتہاد کے سلسلے میں اقبال بڑے بڑے دینی علما سے مسائل پوچھتے اور کئی ایسی دینی کتب بھی ان سے طلب کرتے جو انھیں کہیں سے میسر نہ آتیں۔ علامہ ایسے اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے بھی تجاویز دیتے تھے، جن سے فقہی مسائل حل ہو جائیں۔

اقبال فقہ اسلامی کی تشکیل نو چاہتے تھے انھوں نے ماضی اور حال کے مسائل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے دنیا کو بہتر اور نیا لائحہ عمل دیا۔ بادشاہت کے نظام اور عجمی تصوف نے مسلمانوں کو افکار و کردار کی آزادی سے محروم کر دیا۔ ان کا کلام ایسے تصورات کے خلاف مسلسل جہاد ہے۔ ان کے نزدیک مسلسل کوشش، جدوجہد اور محنت کے ساتھ ہی کامیابی کی منازل پائی جا سکتی ہیں۔ مغرب و مشرق کا بہترین امتزاج اقبال کے نزدیک اسلام کی روح کا حقیقی مظہر ہے۔

اقبال کی فکر کا مرکزی نکتہ خودی ہے۔ خود شناسی وہ جوہر ہے جو انسان کو اعلیٰ مقام تک پہنچاتی ہے۔ اس کے لیے ایسی تربیت ہو جو شخصیت کی ظاہری گرد کو جھاڑ دے اور اصل آدمی نکھر کر سامنے آجائے۔

خودی کا سرِّ نہاں لا اِلٰہ اِلّا اللہ

خودی ہے تیغ، فساں لا اِلٰہ اِلّا اللہ[17]

خودی کی پہچان سے انسان وہ بلند مقام حاصل کر لیتا ہے جسے اقبال کے نزدیک مردِ مومن کا درجہ کہتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں بھی مسلمانوں کے زوال کے پس منظر میں اقبال کے تصور خودی اور بے خودی کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔

اقبال مسلمانوں کی نئی نسل کو دہریت سے بچانا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر سید محمد اکرم اکرام لکھتے ہیں کہ اقبال نے نومبر 1931ء میں کیمبرج میں ایک تقریر میں نوجوانوں کو نصیحت کی:

"میں نوجوانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ دہریت و مادیت سے محفوظ رہیں۔ اہلِ یورپ کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ انھوں نے مذہب و حکومت کو علٰحدہ علٰحدہ کر دیا۔ اس طرح ان کی تہذیب روح اخلاق سے محروم ہو گئی اور اس کا رخ دِیریانہ مادیت کی طرف پھر گیا"۔[18]

مفکرِ پاکستان علامہ اقبال کی فکر کی آج بھی اتنی ہی اہمیت ہے جتنی قیامِ پاکستان سے قبل تھی۔ اقبال کے خیال میں مغربی استعمار سے نجات حاصل کرنے کی واحد حکمتِ عملی یہ ہے کہ ذاتی وسائل پر بھروسہ کیا جائے۔ غیرت اور خودداری کا تقاضا ہے کہ غیر ملکی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے، ملکی معیشت کو مضبوط کیا جائے ملی، مذہبی، علمی، معاشی اور سیاسی غرض ہر سطح پر اپنا تشخص برقرار رکھا جائے۔ آج ہمارا پیارا وطن اللہ کے کرم سے پہلا اسلامی ملک ہے جو ایٹمی طاقت بن چکا ہے لیکن اس کے باوجود ہم اپنے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی شر انگیزیوں، سازشوں اور دہشت گردیوں سے نبرد آزما ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارے ملک میں فرقہ وارانہ اور علاقائی تعصب بھی عروج پر ہے۔ اقبال کے دور میں بھی یہ مسائل تھے۔ جو آج کے دور میں زیادہ ہی بڑھ گئے ہیں۔ اقبال نے درست فرمایا تھا:

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک

ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک

حرمِ پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک

کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں[19]

اقبال برصغیر کے مسلمانوں کے لیے جس طرح کا ملک چاہتے تھے۔ آج ہم اگر انصاف سے اپنے وطن پاکستان کی آغاز سے زمانہ حال تک کی تاریخ کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ اس اسلامی ریاست نے کسی حد تک تو اقبال کے خواب کو سچ کر دکھایا لیکن ابھی ایک طویل جدوجہد کی ضرورت ہے۔ 1971ء میں پاکستان دو حصوں میں تقسیم ہو گیا مشرقی پاکستان کا حصّہ ہم سے الگ ہو گیا۔ اسلام کے نام پر قائم ہونے والے اس ملک میں مکمل طور پر اسلامی نظام بھی رائج نہیں ہو سکا۔ ہم اپنی تہذیب و ثقافت سے دور ہوتے جا رہے ہیں مغرب اور ہنود کی اندھی تقلید نے ہمیں اپنے ورثہ اور بزرگوں کی اقدار و روایات سے کاٹ کر رکھ دیا ہے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود

یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود[20]

ہم اپنی قومی زبان اردو کو بولتے ہوئے شرم محسوس کرتے ہیں جب کہ انگریزی زبان اپنی نئی نسل کو سکھانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، اقبال کی فکر کو دورِ جدید کے تناظر میں دیکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جن خطوط پر اور جس نظام تعلیم سے ہماری نسلوں کی آج تربیت ہو رہی ہے۔ ایک محدود طبقہ خواص جس طرح معاشرے پر اپنے مفادات کے نظام کو مسلط کر رہا ہے۔ وہ نسلیں، اپنی تہذیب کی جڑوں سے کٹ کر، اقبال کے پیغام و شاعری سے اسی طرح بیگانہ ہو جائیں گی۔ جس طرح دو سگے جڑواں بھائی ایک دوسرے کے لیے اجنبی و بیگانہ ہو گئے ہیں۔ جیسے جیسے یہ عمل

ہمارے ہاں تیز ہو رہا ہے۔ ہم بے شناخت ہو کر اپنی تہذیب کی بنیادوں سے دور سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور نئے نئے بحرانوں میں مبتلا ہو رہے ہیں۔۔۔ آج اقبال کی یہ سوچ اور یہ انداز فکر نئی نسلوں کے لیے اجنبی بن کر رہ گیا ہے اور اس لیے اجنبی بن گیا ہے کہ ہم نے برسوں ہوئے اس راستے کو چھوڑ دیا ہے۔ اقبال کے تعلق سے ہم جو کچھ کہتے رہتے ہیں وہ عام طور پر محض منافقت ہے اور زبانی جمع خرچ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اپنے باطن کی گہرائیوں میں ہم نے دراصل فکر اقبال کو مسترد کر دیا ہے"۔[21]

اقبال جس دور میں شاعری کر رہے تھے، وہ مسلمانوں کی غلامی کا زمانہ تھا۔ اس کے باوجود وہ اپنی قوم اور ملت سے مایوس نہیں تھے:

نہیں ہے نااُمید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی[22]

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی علامہ کی فکر اور ان کے الگ اسلامی ریاست کے قیام کے تصور پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بلاشبہہ پاکستان کا قیام اسلامی نشات ثانیہ کی جدوجہد میں ایک اہم پیش رفت کی حیثیت رکھتا ہے مگر علامہ اقبال کے خوابوں کی حقیقی تعبیر اس وقت سامنے آئے گی جب پاکستان میں اسلامی قانون اور شریعتِ محمدیہ کا مکمل اور نتیجہ خیز نفاذ ہو گا اور پاکستان، دنیا میں اسلام کے احیا اور مسلمانوں کی سربلندی کی علامت بن جائے گا"۔[23]

اقبال کا اس بات پر پختہ یقین تھا کہ دنیا کی مشکلات کا حل اگر کہیں ہے تو وہ صرف اسلام اور قرآن ہے۔ وہ عصرِ حاضر کی خرابیوں کا ہی ذکر نہیں کرتے بلکہ اس کے چنگل سے آزادی کا راستہ بھی دکھاتے ہیں۔ زرپرستی نے ہماری زندگی کے معیار کو بدل دیا ہے۔ اس سے مثبت اقدار کی نفی ہو رہی ہے، زندگی کے مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے اور معاشرے میں انتشار پیدا ہو رہا ہے۔ ان حالات کے پس منظر میں مغرب کی تہذیب کی کورانہ تقلید ہے۔ جس سے ہماری نسل دو تہذیبوں کے درمیان میں پھنس کر اضطراب کی کیفیت میں ہے۔ جیسے دو کشتیوں کا سوار کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ وہ اپنی منزل سے بھٹک جاتے ہیں۔ اس طرح کے حالات کی سب سے بڑی وجہ قرآن اور اسلام سے دوری ہے۔ "قیصر و کسریٰ کے استبداد" کو مٹانے والا "زورِ حیدر"، فقر بوذر" اور "صدقِ سلیمانی" کہیں کھو چکا ہے۔

اقبال مسلمانوں کے مسائل کی وجہ سے پریشان رہتے۔ دراصل وہ ان کے مستقبل کے بارے میں فکر مند تھے۔ اس بے قراری کا اظہار اقبال کی شاعری اور خطوط میں واضح نظر آتا ہے۔ خاص طور پر اقبال نے جو خطوط قائد اعظم محمد علی جناح کے نام تحریر کیے۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ مسلمانوں کے روشن مستقبل کے لیے کتنے بے قرار رہتے تھے!

اسی کش مکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں

کبھی سوز و سازِ رومی، کبھی پیچ و تابِ رازی[24]

عرب دنیا میں کلامِ اقبال کو تراجم سے فروغ دینے والے نامور اقبال شناس عبدالوہاب عزام نے اقبال کی تعریف ان الفاظ میں کی:

"عصرِ حاضر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بلکہ عامتہ الناس کو ایک بہت بڑی نعمت عطا کی اور ایک ایسا فلسفی عالم شاعر پیدا کیا جس نے نظری اور عملی فلسفوں کو یکجا کر دیا اور جو اسلامی عقائد و قوانین اور اس کی عزمتوں اور مقاصد سے بہرہ اندوز ہوا اور اس کے ساتھ ہی مغرب کے فلسفے اور اس کے مذاہب سے بھی آشنائی رکھتا تھا۔۔۔ چنانچہ اس نے اپنے کلام کو تابناک روشنی اور لپکتے ہوئے شعلوں سے بھرپور کر دیا اور لوگوں کو دعوتِ حق دی اور عالم حاضر کو اس کے موجودہ رویے کے دردناک نتائج سے ڈرایا اور اسلام کے حقائق کو اجاگر کیا اور مقاصد اسلامی اور تاریخ اسلامی کو جلا دی"۔[25]

اقبال نے خاص مقاصد کے حصول کے لیے شاعری کو ذریعہ اظہار بنایا، وہ خود کو شاعر نہیں سمجھتے تھے۔ علامہ تو نئی نسل کو شاعری کرنے سے روکتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ نوجوانوں کو پوری توجہ اپنی تعلیم پر دینی چاہیے۔ شاعری تو بیکار لوگوں کا مشغلہ ہے۔ اقبال کی شاعری پر اگر کوئی اعتراض کرتا تو وہ کہتے کہ آپ مجھے شاعر کیوں سمجھتے ہیں؟ میں اہل زبان بھی نہیں ہوں۔ میری مادری زبان تو پنجابی ہے۔ آپ میری شاعری کی فکر اور پیغام سمجھنے کی کوشش کیا کریں۔ میرا مقصد شاعری کے جوہر دکھانا نہیں بلکہ مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کر کے آزادی کے حصول کے لیے تیار کرنا ہے۔ علامہ اپنے ان مقاصد کے حصول میں کامیاب ہوئے۔ اب اکیسویں صدی میں بھی ان کا پیغام زندہ ہے بلکہ اس کی اہمیت کئی گنا بڑھ چکی ہے، ایسے لگتا ہے جیسے یہ پیغام اسی دور کے لیے شاعری کی صورت میں محفوظ کیا گیا۔

اقبال نے یورپ میں قیام کے دوران مغربی تہذیب کو بہت قریب سے دیکھا۔ ان کے عمیق مطالعے اور مشاہدے کی بدولت ان کی فکر اور قلب و نظر میں گہرائی پیدا ہوئی۔ انھیں وہ شعور حاصل ہوا، جس کی اساس پر ان میں وسعت پیدا ہوئی۔ اقبال نظم "عبدالقادر کے نام" میں لکھتے ہیں۔

اُٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا اُفقِ خاور پر

بزم میں شعلہ نوائی سے اُجالا کر دیں

ایک فریاد ہے مانندِ سپند اپنی بساط

اسی ہنگامے سے محفل تہ و بالا کر دیں[26]

اقبال مادی زندگی کو نظر انداز کرنے کے حق میں نہیں تھے اور نہ ہی راہبانہ روحانیت کے داعی تھے۔ وہ عقل و عشق کے اس امتزاج کے متلاشی تھے جس نے رسولِ کریمؐ کی صحبت سے فیض یاب ہونے والے حضرت ابو بکر صدیق ، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی اور حضرت بلال جیسی شخصیات اس جہان کو بخشیں۔ اقبال کی فکر کی اساس قرآن و حدیث تھی۔ آج اگر نئی نسل اقبال کے پیغام سے نا آشنا ہے۔ تو اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ نسل اقبال کے پیغام کی بنیاد قرآن مجید اور حدیثِ نبویؐ کی تعلیمات سے دور ہے۔ فلسفہ اور علم الکلام کی تعلیم سے نئی نسل زیادہ آشنا نہیں ہے۔ اس وجہ سے اقبال اور ہمارے درمیان فاصلے بڑھتے جا رہے ہیں۔ اقبال کے نظامِ فکر سے نئی پود نا آشنا ہے۔ اقبال دشمن عناصر کی یہ کوشش ہے کہ کسی نہ کسی طرح اقبال کو تعلیم کے نصاب سے بھی نکال دیں۔ اگر اقبال کو نصاب میں شامل بھی کیا جائے تو ان کا وہ کلام شامل ہو جو حرکت، اجتہاد، جہاد قرآن و حدیث کی تعلیمات سے دور ہو۔ انھیں یہ خوف ہے کہ اقبال کی تعلیمات سے کہیں نوجوانوں میں "عقابی روح" بیدار نہ ہو جائے۔

اقبال تعلیم نسواں پر خصوصی توجہ اس لیے دلاتے ہیں کہ اگر عورت تعلیم یافتہ ہو گی تو آنے والی نسلوں کی بہترین تربیت ہو سکے گی۔ عورت کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے اس کی حدود و قیود کی پابندی پر زور دیتے ہوئے یہ بھی تاکید کرتے ہیں۔

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن

کہتے ہیں اُسی علم کو اربابِ نظر موت[27]

اقبال بچیوں کی صحیح دینی و مذہبی تعلیم پر توجہ دلاتے ہیں۔ وہ مخلوط تعلیم کے خلاف تھے۔ عورتوں اور مردوں کا آزادانہ اختلاط بھی ناپسند تھا۔ مرد اور عورت کی مغربی تہذیب میں رائج نام نہاد مساوات کے بھی قائل نہ تھے۔ علامہ کی بیگم پردے کی سخت پابند تھیں اور وہ ان کو محفلوں میں ساتھ نہیں لے جاتے تھے۔

اقبال کے نزدیک عورت بطور ماں، بہن، بیٹی کے بہت بلند مقام رکھتی تھیں۔ ماں کے قدموں تلے تو رب ذوالجلال نے جنت رکھ دی۔ اقبال نے اپنی ماں کی وفات کے بعد مشہور نظم "والدہ مرحومہ کی یاد میں" تحریر کی۔ اس نظم میں اقبال مثلِ طفل اپنی ماں کو یاد کر کے دلی صدمے اور دکھ کا اظہار کرتے ہیں۔ ماں کی جدائی اقبال کو تڑپاتی ہے۔ اقبال نے ماں کی سچی محبت اور قربانیوں کو یاد کیا ہے۔ اس نظم کو عوام میں بہت پذیرائی ملی۔ ماں کی تربیت سے اقبال اعلیٰ مقام حاصل کر سکے۔

اقبال کی اہلیہ کا انتقال ہوا تو انھیں اپنی بچی منیرہ کے لیے ایک ایسی استانی کی ضرورت محسوس ہوئی جو قرآن اور دینی کتابیں پڑھا سکے۔[28] اقبال عورتوں کے لیے امہات المومنین کے کردار کو نمونہ سمجھتے تھے۔ تمام مسلمان عورتیں ان کے نقش قدم پر چل کر کامیاب زندگی گزار سکتی ہیں۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہ جیسی ماں کی گود میں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین جیسے بیٹے پرورش پاتے ہیں۔ جو اپنی جان اور مال اللہ کی راہ میں قربان کر دیتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں بگاڑ اسی لیے پیدا ہوا کہ خاندانی نظام ٹوٹ چکا ہے۔ ماں باپ نے اپنے فرائض نبھانا چھوڑ دیے ہیں۔ جس کی وجہ سے پورا معاشرہ انتشار کا شکار ہے۔ اولاد بے راہ روی کا شکار ہے۔ مائیں خود اپنے دین اور مذہب سے ناواقف ہیں۔ مغربی طور طریقے اپنائے جا رہے ہیں۔

انٹرنیٹ اور جدید سائنسی ایجادات نے نئی نسل کے لیے کئی ایسے ذرائع ابلاغ اور رسل و رسائل متعارف کرا دیے ہیں، جن سے نئی نسل فائدہ حاصل کرنے کے ساتھ اخلاقی گراوٹ کا بھی شکار ہے۔ ماں اور باپ دونوں مالی وسائل کی کمی کی وجہ سے ملازمتوں میں مصروف ہیں اور بچے خادماؤں کے حوالے کر دیے جاتے ہیں۔ ماں سے زیادہ بچے خادماؤں کے پاس وقت گزارتے ہیں۔ ایسے حالات میں بچوں کو مادی ضروریات تو فراہم کر دی جاتی ہیں، لیکن والدین کی محبت اور تربیت انھیں میسر نہیں آتی۔ جس کی وجہ سے بچوں اور والدین کے درمیان محبت کا رشتہ پروان نہیں چڑھتا۔ بچے والدین کی توجہ اور محبت کی کمی کو دیگر مصنوعی ذرائع سے پورا کرنے کی کوشش میں بعض اوقات بے راہروی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کئی دفعہ بچے نشے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ جاہل اور غیر تہذیب یافتہ لوگوں کی صحبت اختیار کر کے ایسی ایسی نادانیاں کر گزرتے ہیں۔ جس سے ان کی زندگیاں انتشار کا شکار ہو جاتی ہیں۔ کئی بچے تفسیاتی مریض بن جاتے ہیں۔ فکرِ اقبال اس رجحان اور رویے کی سخت مخالفت کرتی ہے۔ علامہ اقبال کی فکر کے مطابق دین اسلام کی صحیح تعلیم دینے سے ایسی مائیں معاشرے کو فراہم کی جا سکتی ہیں جو نئی نسل کی ایسے تربیت کریں کہ ان کی گود سے ابو بکر، عمر فاروق اور حضرت خالد بن ولید، سلمان فارسی اور بلال جیسے عاشق رسولؐ اور سچے مردِ مومن تربیت پائیں۔

اقبال ایک نابغۂ عصر اور ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ رب العزت نے انھیں بے شمار صلاحیتوں اور نعمتوں سے نوازا تھا۔ امام بی بی اور شیخ نور محمد جیسے والدین کی تربیت اور مولوی سید میر حسن جیسے استاد کی تعلیم نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ علامہ کی شاعری کو کہیں سے بھی پڑھا جائے اس

میں تعلیم، تدریس، اخلاق، نصیحت، تنبیہہ اور راہنمائی ملتی ہے۔ سید محمد مصلح الدین سعدی لکھتے ہیں:

"پیغام اقبال میں اتنا دم خم موجود ہے کہ اس صورتِ حال میں ہم کو خوف کی وادی سے نکال کر عزمِ صمیم کی دولت سے مالامال کر سکتا ہے۔ حرکت و حرارت سے بھرپور زندگی کا تصور ایک رزمگاہ کا منظر پیش کرتا ہے۔ کچھ لوگ زندگی کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور اپنی خودی کی خفتہ صلاحیتوں کا عرفان حاصل کر کے نیابتِ الٰہی کا انسانی فریضہ انجام دیتے ہیں اور کچھ لوگ موت سے ترساں اس بے یقینی کا شکار ہو جاتے ہیں جو کسی اونچے نصب العین کے نہ ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ ساری تدبیریں اور شمشیریں بے کار ہو جاتی ہیں۔ غلام ذہن مصلحت آشنا ہوتا ہے اور روزانہ کوئی نئی زنجیر اُسے جکڑ لیتی ہے۔ ہم اسی نظر کو پیدا کرنا چاہتے ہیں جو ہماری چارہ گر بن جائے"۔[29]

مذکورہ بالا مضمون میں سید محمد مصلح الدین سعدی مزید لکھتے ہیں کہ ماہرین کی ایک جماعت "اقبالیات" کا گہری نظر سے جائزہ لے اور "مطالعہ اقبال" کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے تجاویز پیش کرے۔ یہ کام بڑا دقت طلب اور صبر آزما ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی رائے کے مطابق اسلامی نشاتِ ثانیہ کے لیے اقبال کے مجموعی کام کو تین دائروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

فرد کی تعمیرِ سیرت

فکری اور علمی کاوشیں

پاکستان کا تصور اور اس کے لیے عملی جدوجہد[30]

علامہ اقبال کردار کی اہمیت کو ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

"Character is the invisible force which determines the destinations of the nations" [31]

اقبال نے مسلمانوں کو اخلاقی انحطاط سے نکالنے کے لیے ان کی اخلاقی تربیت کے لیے خودی کی نشوونما کو ضروری قرار دیا۔ اس کے علاوہ مذہب پر اپنی گرفت کو مضبوط کرنے کی تلقین کی۔ اسلام صرف عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اخلاقِ حسنہ کا عملی نمونہ حضرت محمدؐ کی ذاتِ اقدس میں پوشیدہ ہے۔ یہ وہ سنہری اصول ہیں۔ جن کو آج کے مسلمانوں نے بُھلا دیا۔ دیگر غیر مسلم قوموں نے ان اخلاقیات کو عملی صورت میں اپنا کر دنیا میں بلند مقام حاصل کر لیا۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کے سنہری قوانین و ضوابط کو عملی طور پر زندہ کیا جائے۔ اقبال کے فلسفۂ خودی میں عشق اور فقر کو بنیادی حیثیت حاصل ہے ان دونوں طاقتوں کے یکجا ہونے سے قوم میں وہ قوت پیدا ہوتی ہے جس کے سامنے کوئی باطل قوت ٹھہر نہیں سکتی۔ بقول اقبال:

خوار جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم

عشق ہو جس کا جسُور، فقر ہو جس کا غیور[32]

یہی وہ خصوصیات ہیں جو ایک مردِ مومن کے کردار کو مضبوط بناتی ہیں۔ عشق ہی تو وہ طاقت ہے جس کے بارے میں اقبال نے کہا تھا کہ اگر مسلمان کے اندر عشق کی آگ بجھ جائے تو وہ راکھ کے ڈھیر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ملتِ اسلامیہ کے نوجوانوں میں خودی کے ساتھ عشق اور فقر کی قوتیں پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

ملتِ اسلامیہ کا ایک اور مسئلہ فروعی مسائل کا ہے۔ جن کی وجہ سے باہمی دشمنیاں اس امت کو اندر سے کمزور کر رہی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ ہمارے نام نہاد صوفیا اور علمائے سو کے منفی رویے ہیں۔ مسلکوں میں تقسیم مسلمان ایک دوسرے کو دشمن سمجھتے ہیں۔ اقبال ان تمام مسائل کا ذمہ دار غیر اسلامی اور عجمی تصوف کو قرار دیتے ہیں۔ عجمی تصوف کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں، بلکہ اس سے رہبانیت اور قوت عملی مفقود ہو رہی ہے۔ اقبال فقہ کی تدوین نو پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آج اسلام کی سب سے بڑی ضرورت فقہ کی جدید تدوین ہے جس میں زندگی کے ان سیکڑوں ہزاروں مسائل کا صحیح اسلامی حل پیش کیا گیا ہو۔ جن کو دنیا کے موجودہ قومی اور بین الاقوامی سیاسی، معاشی اور سماجی احوال و ظروف نے پیدا کر دیا ہے"۔[33]

اقبال کی شاعری اور خطبات کے اصل مخاطب تو جوانانِ ملت ہیں اور خاص طور پر وہ مسلمان نوجوان جنھوں نے مغرب کی تہذیب سے اثرات لیے ہیں یا مستقبل میں اس تہذیب سے متاثر ہو سکتے ہیں۔ دراصل اقبال مسلمانوں کو جدید مغربی اور سائنسی تعلیم کے حصول کے ساتھ ساتھ اسلام سے بھی اپنا پختہ رشتہ استوار رکھنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ مسائلِ اقبال میں سید عبداللہ لکھتے ہیں۔ انگریزی نظامِ تعلیم یا تصورات علمی پر اقبال کی تنقید اس لئے بھی زیادہ تلخ ہے کہ اس کے زیر اثر ہمارے طلبہ کی انا یا خودی کا عنصر بالکل معدوم ہو جاتا ہے اس تعلیم کا لازمی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ انسانی ترقی اور انسانی علوم کی ترقی میں جو حصہ مشرق یا مسلمانوں نے لیا تھا۔ اس سے ہمارا فارغ التحصیل تعلیم یافتہ انسان نہ صرف غافل بلکہ منکر محض ہے اور آئندہ کے لئے اس کے احیاء سے مایوس بھی ہے۔ غرض اس تعلیم سے خام تعقل پیدا ہوتا ہے اور اس میں عمل و تجربہ کا فقدان ہے اور یہ خودی سے بیگانگی کے باعث ہے اس لئے ہمارے ملک میں خواندگی کے ماسوا تعلیمی قسم کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور اقبال کی خداوندانِ مکتب سے یہی شکایت ہے۔[34]

قرآن کو پڑھنے اور سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی ضرورت کو علامہ نے تحریروں میں جابجا پیش کیا۔ آپؐ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ مجموعی طور پر عصرِ نو کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فکر اقبال کے احیا کی ضرورت ہے۔ فکرِ اقبال کی ایسی تعبیر و تشریح کی ضرورت ہے جو عام فہم ہو۔ اس کی ترسیل تمام مسلمانوں تک ہو تاکہ سبھی اس سے مستفید ہو کر نہ صرف اپنا حال سنوار سکیں بلکہ مستقبل کو بھی روشن کر سکیں۔ ڈاکٹر جاوید اقبال مجموعی طور پر اقبال کے افکار اور دورِ حاضر کے مسائل پر اس طرح رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قصہ مختصر علامہ مرحوم کا مقصد اتنا تھا کہ برادرانِ ملت کو اس طریقہ کار سے آگاہ کیا جائے۔ جس کے ذریعے ہم قرون اولیٰ میں اپنی مشکلات کا حل ڈھونڈا کرتے تھے۔ ان تجربات کو مدِ نظر رکھ کے ہم یقیناً ان مسائل کا حل دریافت کر سکتے ہیں جو عہد حاضر نے ہمارے سامنے پیش کر دیے ہیں۔ ہمیں اپنے آئینی مسائل کو اپنے نئے تجربات اور مقامی و ہنگامی حالات کے مطابق از سرِ نو ترتیب دینا چاہیے۔ اگر ہم ایسا کرنے سے قاصر رہے تو یقیناً ہمارا عمل اسلامی مسلک کے برعکس ہو گا"۔[35]

علامہ اقبال کے مشن کی تکمیل کی ذمہ داری مسلمان نوجوانوں پر ہے۔ اسی لیے علامہ "بانگِ درا" میں کہتے ہیں:

وقتِ فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے

نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے[36]

حوالہ جات۔

[1]محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیاتِ اقبال، اُردو، اقبال اکادمی، لاہور، بزم اقبال، لاہور (مشترکہ پیش کش)1994ء، ص217، 713

[2]ایضاً، ص300

[3]عبداللہ، ڈاکٹر سید، مسائل اقبال، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور، جون1987ء، ص145

[4]محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیاتِ اقبال، اردو، ص158

[5]ایضاً، ص237، 648

[6]نوائے وقت، روزنامہ، لاہور، 21اپریل2015ء، آڈیٹوریل صفحہ

[7]ایضاً

[8]محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیاتِ اقبال، اردو، ص301، 302، 447

[9]نوائے وقت، روزنامہ، لاہور، 9، نومبر2014ء، ص 13

[10]محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیاتِ اقبال، اُردو، ص599، 377

[11]ایضاً، ص207

[12]عبدالحکیم، ڈاکٹر خلیفہ، فکرِ اقبال، بزم اقبال، لاہور، اپریل2013ء، ص504۔505

[13]محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیاتِ اقبال، اردو، ص437

[14]ایضاً، ص305

[15]عطاء اللہ، شیخ، مرتب، اقبال نامہ، مجموعہ مکاتیب اقبال، یک جلدی، اقبال اکادمی، لاہور، 2012ء، ص360

[16]ایضاً، ص31۔32

[17]محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیاتِ اقبال، اردو، ص527

[18]نوائے وقت، روزنامہ، لاہور، 21اپریل2013ء، آڈیٹوریل صفحہ

[19]محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیاتِ اقبال، اردو، ص230

[20]محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیاتِ اقبال اردو، ص231

[21]الاقربا، سہ ماہی، اسلام آباد، جولائی ستمبر2003ء، ص275۔276

[22]محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیاتِ اقبال، اردو، ص351

[23]ترجمان القرآن، ماہنامہ، لاہور، جلد130، شمارہ نمبر4، اپریل2003ء، ص54

[24]محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیاتِ اقبال، اردو، ص354

[25]گوہر نوشاہی، مرتب، مطالعہ اقبال، بزم اقبال، لاہور، مئی1983ء، ص157

[26]محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیاتِ اقبال، اردو، ص158

[27]ایضاً، ص608

[28]بتول، لاہور، ماہنامہ، اقبال نمبر، شمارہ نمبر11، جلد20، نومبر دسمبر1977ء، ص28

[29]اقبال ریویو، اقبال اکیڈمی، حیدرآباد دکن، خصوصی شمارہ اقبالیاتِ سعدی، جلد12، شمارہ اول، 2003ء، ص104

[30]رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اقبالیات: تفہیم و تجزیہ، اقبال اکادمی، لاہور، 2010ء، ص 140

[31]محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، Stray Reflections، مرتب جاوید اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 1961ء، ص79

[32]محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیاتِ اقبال، اردو، ص565

[33]محمد ازہر شاہ قیصر، حیاتِ انوار، دیوبند، 1955ء، ص165، بحوالہ اقبالیات: تفہیم و تجزیہ از ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ص146

[34]عبداللہ، ڈاکٹر سید، مسائل اقبال، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور، جون 1987ء، ص181

[35]جاوید اقبال، ڈاکٹر، مقالاتِ جاوید، مرتبین، محمد سہیل عمر، ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، اقبال اکادمی لاہور، 2011ء، ص231

[36]محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیاتِ اقبال اردو، ص236